# ادبی پیرومرشد

ڈاکٹر مختار احمد عزمی

Dr. Mukhtar Ahmad Azmi

Chairman, Department of Urdu,

Minhaj University, Lahore.

***Abstract:***

*Major (R) Syed Zamir Jafari (January 01,2016 –May 12,1999) was a legendary Urdu poet and prose writer. He belonged to Jehlum, Pakistan. After graduation from Lahore, he served as journalist. He joined British Army as captain in WW2. He was ranked as major of Pakistan Army in 1965. Jafari served as Director of Islamabad Development Authority and Pakistan Academy of Letters. Due to his long literary, Social and defense services, he was awarded "pride of performance". He earned fame as an humorous poet and satiristic prose writer. However he had a much potential of serious writings too. He had created 18 books of poetry and 11 books of prose. He was considered unparallel humorous writer in the second half of 20th century, well known as "literary Guru." Major Zamir Jafari Travelled a lot to patronize young writers and literary functions. Author of this article has searched new poetic dimensions of his Guru and refreshed his sweet memories*

یادش بخیر، کبھی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں طلبا وطالبات کی انجمنیں Student's unions ہوا کرتی تھیں۔ ان کے ہر سال الیکشن ہوتے تھے اور طلبا وطالبات صدر، سیکریٹری اور دیگر عہدیداران کی صورت میں اپنی قیادت خود منتخب کرتے تھے۔ مذکورہ سٹوڈنٹس یونینز اپنی جو سالانہ تقریبات منعقد کرتی تھیں، ان میں سے ایک تقریب ''عدالت'' کے نام سے بھی ہوا کرتی تھی۔ کبھی عوامی عدالت، کبھی قائدِ آعظم کی عدالت اور کبھی علامہ اقبال کی عدالت وغیرہ۔ ہم نے بھی ایک بار ایک ایسی ہی عدالت لگوائی تھی۔ عنوان تھا ''ضمیر کی عدالت''(۱)

جس میں ہمارے ادبی پیرومرشد میجر (ریٹائرڈ) سید ضمیر جعفری نے بہ طور چیف جسٹس پرفارم کیا تھا۔ ضمیر جعفری کے

نام کی نسبت سے ''ضمیر کی عدالت'' گویا ایک ذو معنی و بامعنی اور یادگار تقریب بن گئی۔

مذکورہ تقریب میں قوم کے مختلف نمائندہ طبقات کو بہ طور ملزم پیش کیا گیا تھا۔ سیاستدان، تاجر، وکلا، پولیس اور اساتذہ پر فردِ جرم عائد کی گئی تھی۔ جناب ممتاز مصطفٰی ایڈوکیٹ آف سپریم کورٹ اور سابق نائب صدر پنجاب بار کونسل، وکلا کے وکیل صفائی تھے۔ نامور دانشور اور پنجاب پروفیسرز ایسوسی ایشن کے نمائندہ پروفیسر رشید احمد انگوی، اساتذہ کے وکیلِ صفائی تھے۔ اسی طرح باقی طبقات کے لیے بھی نامی گرامی شخصیات بہ طور وکلائے استغاثہ و وکلائے صفائی مدعو کی گئی تھیں۔ وکلائے استغاثہ کا بنیادی مئوقف یہ تھا کہ یوں تو پوُری قوم اپنے ضمیر کی عدالت میں شرمندہ ہے مگر مذکورہ طبقات نے خاص طور سے قوم کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ فاضل اعزازی چیف جسٹس نے ۴ گھنٹے تک فریقین کے دلائل سننے کے بعد جو فیصلہ دیا، اُس میں اساتذہ کو نہ صرف باعزت بری کر دیا بل کہ اُنھیں عدالت میں بلانے پر ندامت کا اظہار کیا۔ اس موقع پر سید ضمیر جعفری کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ اساتذہ کو عدالت کے کٹہرے میں دیکھ کر بہت رنجیدہ تھے۔ ضمیر جعفری کا وہ جلالی چہرہ آج تیس برسوں کے بعد بھی میری نگاہوں میں زندہ ہے۔ وہ غضب ناک لہجے میں کہہ رہے تھے کہ اساتذہ نے اپنا کردار اپنی اوقات سے بڑھ کر ادا کیا ہے۔ ہمارے پاس اگر کچھ بچ گیا ہے تو وہ صرف اساتذۂ کرام ہی کی بدولت ہے۔

اس موقع پر، میں نے پہلی بار ضمیر جعفری کو جلالی کیفیت میں دیکھا۔ اس سے پہلے اُن کی ہنستی مسکراتی اور مزاح کے پھول بکھیرتی ہوئی مشاعراتی تصویر میری نگاہوں میں تھی۔ جیسے اُن کا یہ شعر:

اُس نے کی پہلے پہل پیائشِ صحرائے نجد
قیس تھا دراصل اک مشہور پٹواری کا نام

اب اُن کی جلالی تصویر نے مجھے اُن کی جمالی تصویر کے مقابل لا کھڑا کیا تو میں سوچنے لگا کہ اصل کیا ہے؟ یہ جلالی بابا جو عالمِ جذبات میں اساتذہ کے حق میں بلند آہنگی سے خطاب کر رہا ہے یا وہ مزاحیہ شاعر جو کہتا ہے:

شوق سے نورِ نظر ، لختِ جگر پیدا کرو
ظالمو! تھوڑی سی گندم بھی مگر پیدا کرو
میں بتاتا ہوں زوالِ اہلِ یورپ کا پلان
اہلِ یورپ کو مسلمانوں کے گھر پیدا کرو

پھر خیال آیا کہ سچا مزاح تو آنسوؤں ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ بہ قولِ غالب دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے۔ ہمارا مجلسی تبسم ہمارے غموں کا ترجماں نہیں ہوتا۔ ہمیں ایک چہرے پہ کئی چہرے سجانے پڑتے ہیں۔ ضبطِ غم کے ساتھ لبِ خنداں، ایک اعلیٰ آدرش سمجھی جاتی ہے۔ بہ قول حفیظ ہوشیار پوری:

جن کے ہونٹوں پہ ہنسی، پاؤں میں چھالے ہوں گے
ہاں وہی لوگ ترے چاہنے والے ہوں گے

سید ضمیر جعفری بھی ذاتی اور اجتماعی غموں کو حالات کی کٹھالی میں پگھلا کر مسکراہٹوں کا روپ دیتے رہے اور زندہ حرف لکھتے رہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے موقع پر بے بسی کی تصویر ملاحظہ کیجیے:

چھوٹی سی ایک ہٹ میں بسیرا ہے آج کل
فدوی بشر نہیں ہے بٹیر ہے آج کل

یہاں ایک اور دلچسپ بحث سامنے آتی ہے کہ اردو ادب کے بیشتر نامور مزاح نگاروں کا تعلق آخر مسلح افواج ہی سے کیوں ہے؟ یا یہ کہ مارشل لا اور گھٹن کے زمانے میں، مزاح نگاری، علامت اور تجریدیت کو فروغ کیوں ملتا ہے؟ اب اس کا جواب کچھ اتنا مشکل بھی نہیں رہا۔ جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پھر وہ روتا ہے یا ہنستا ہے۔ ہنسی اور غم، دراصل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ دونوں دراصل ایک ہی وفورِ جذبہ کے دو اظہار ہیں۔ تاریخِ ادب گواہ ہے کہ نادر شاہ درانی، احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے حملوں اور خوف کے زمانے میں ایہام گوئی کی تحریک کو فروغ ملا۔ پاکستان میں بھی زیادہ تر، آمریت کے ہی دنوں میں مزاح اور علامت نگاری میں اظہار ہوا ہے۔ اس حوالے سے نفسیات کا مسلمہ ''قانونِ تلافی'' بھی اپنا کام دکھاتا ہے۔ اپنا پردہ رکھنے یا کتھارسس کرنے کے لیے ایک لکھنے والا کبھی مزاح، کبھی رقت، کبھی ایہام، کبھی ابہام، اشاریت اور علامت و تجرید سے کام لیتا ہے۔ بہ قول ڈاکٹر انور سدید:

''ایہام کے فروغ میں فطرت کے قانونِ تلافی کا بھی خاصا عمل دخل نظر آتا ہے۔۔۔۔
سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور میں تلواریں کند اور الفاظ تیز ہو گئے تھے۔''(۲)

سید ضمیر جعفری ضلع جہلم کے گاؤں چک عبدالخالق میں یکم جنوری ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی سکول جہلم سے میٹرک، گورنمنٹ کالج کیمبل پور سے انٹرمیڈیٹ اور تاریخ ساز ادارے گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ کیمبل پور کے زمانے میں وہ ضمیر حسین درد کے نام سے لکھتے تھے۔ بعد میں ضمیر جعفری ہو گئے۔ عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا۔ شیرازہ، احسان اور سدا بہار جیسے اخبارات و رسائل سے وابستہ رہے۔ فوج کے شعبہ تعلقاتِ عامہ جائن کیا تو ۱۹۴۵ء میں دوسری جنگِ عظیم کا آغاز ہو گیا اور ان کو فوج میں کمیشن مل گیا۔ کیپٹن کی حیثیت سے جنوب مشرقی ایشیا کے مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت دی۔ ۱۹۴۸ء میں واپس آئے اور دوبارہ روزنامہ ''بادِ شمال'' کے ایڈیٹر کے طور پر قرطاس و قلم سنبھال لیا۔ بار، دگر فوج میں شمولیت اختیار کی اور ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بہ طور میجر مادرِ وطن کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اسلام آباد کے ترقیاتی ادارے سے وابستہ ہو گئے۔ اکادمی ادبیاتِ پاکستان سے بھی وابستہ رہے۔ اُن کی اعلیٰ علمی، ادبی اور قومی خدمات کے اعتراف کے طور پر ۱۹۸۵ء میں انھیں صدارتی تمغۂ حسنِ کارکردگی سے نوازا گیا۔ ۱۲ مئی ۱۹۹۹ء کو وفات پائی، ادب کی دُنیا میں وہ ادبی پیرو مرشد کہلاتے تھے۔ اُن کی نمایاں ترین پہچان ایک مزاح نگار کی ہے۔ انہوں نے شعری اور نثری دونوں طرح کے مزاح میں زبان و بیان کے جوہر دکھائے۔ ہیں۔ ''مافی الضمیر''، شعری مزاح کا شاہکار ہے۔ اس کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں:

''اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب مصنف کی زندگی ہی میں کچھ اِس
طرح شائع ہو رہی ہے جیسے مصنف کے انتقال کے بعد شائع ہوتی۔''(۳)

کالج کے زمانے میں یہ کتاب ہر وقت میرے پاس رہا کرتی تھی۔ بہت سے اشعار زبانی یاد تھے اور میں مزے لے لے کر دوستوں کو سناتا رہتا تھا:

آدمی نیچے کہیں منہ دیکھتا ہی رہ گیا
اِتنا اونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی

تیرے کوچے میں یُوں کھڑا ہوں میں
جیسے ہاکی کا گول کیپر ہوں

............

علم الماری کا مکتب چار دیواری کا نام
ملٹن اک لٹھا ہے ، مومن خان پنساری کا نام

سید ضمیر جعفری کا مزاح اُن کے سچے کرب سے پھوٹتا ہے۔''مسدسِ بدحالی'' پیروڈی کے رنگ میں لکھی گئی ہے۔''ولایتی زعفران'' انگریزی مزاحیہ نظموں کے تخلیقی تراجم پر مشتمل مجموعہ ہے۔اس کے علاوہ ضمیرِ ظرافت، سرگوشیاں، نغمۂ زنجیر، بے کتابے، شناخت پریڈ اور دست و داماں شعری مزاح کی کتابیں ہیں۔طنزیہ اور مزاحیہ نثر میں اُن کی ڈائری (روزنامچہ) اور کالم''ضمیر حاضر ضمیر غائب''، اہم ہے۔اُن کا طنزیہ و مزاحیہ کُل کلام اب''نشاطِ تماشا'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ضمیر جعفری طنز سے زیادہ مزاح کے خوگر ہیں۔وہ نوکِ سوزن کی بجائے دلبرانہ گدگدی سے کام لیتے ہیں۔اس حوالے اُن کا کہنا ہے:

'' میں طنز کو مزاح کا جڑواں بھائی سمجھتا ہوں۔اس بات کا بھی قائل ہوں کہ اس کے بغیر حقیقت پسندی کا عنصر پنپنے نہیں پاتا۔بلکہ یہ بھی کہ اگر مزاح میں سے طنز کو خارج کر دو تو باقی چرپی یا چرب زبانی رہ جاتی ہے۔مزاح بذاتِ خود بھی جمعہ کے بازار میں رہتا ہے۔میں طنز کو تیغ و کفن پہنا کر میدانِ جنگ میں اُتارنے کا قائل نہیں ہوں۔وہ بے شک لڑے مگر ہاتھ میں تلوار نہ ہو۔۔۔طنز کی تلخی مزاح کو بدمزہ اور نک چڑھا کر دیتی ہے جو مزاح دوسروں کو خوش نہیں کرتا وہ میری نظر میں مزاح نہیں۔''(۴)

ہمارے اجتماعی دکھ ہوں یا انفرادی محرومیاں، تہذیب نو کا ہنگامہ ہو یا پُرانی قدروں کا نوحہ، معاشی عدم مساوات ہو یا مذہبی تنگ نظری، ضمیر جعفری کا لہجہ طنز کی نشتریت کی بجائے خوشگوار غور و فکر سے مملو ہوتا ہے۔اُن کے درج ذیل اشعار دیکھئے:

سج رہی تھی جس جگہ پر کل کتابوں کی دکاں
اس جگہ اب لکڑیوں کا ٹال دیکھا جائے گا

............

کس کس ہنر میں آج ترقی نہیں ہوئی
کیا کیا شرف بشر پہ اُتارا نہیں گیا

............

گھر میں کل بینگن کے بھُرتے میں جو مرچیں تیز تھیں
اس میں بھی ہو گا بڑا بھاری قصور انگریز کا

ضمیر جعفری بیسویں صدی کے نصف آخر میں اردو مزاح نگاروں کے سرخیل سمجھے جاتے تھے اور انھوں نے اس ذمہ

داری کو خوب نبھایا۔ کوئی ادبی محفل اُن کے بغیر نہ سجتی تھی اور وہ دور دراز کا سفر کر کے بھی ادبی تقریبات کا حصہ بنتے تھے۔ یہ ۱۹۸۰ء کی دہائی کی بات ہے کہ جب نامور مزاح نگار یونس بٹ کے پہلی کتاب ''شناخت پریڈ'' کی تعارفی تقریب ہوٹل آواری، لاہور میں منعقد ہوئی۔ اس میں شرکت کے لیے سید ضمیر جعفری خصوصی طور پر اسلام آباد سے تشریف لائے۔ اس مضمون کے آغاز میں جس تقریب کا ذکر کیا گیا ہے اس میں شرکت کے لیے بھی پیرومرشد نے عالمِ پیری کے باوصف اسلام آباد سے ملتان بائی ائیر اور پھر وہاں سے ۳۰۰ کلومیٹر کا سفر ایک کیری ڈبہ میں طے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو فوجی زندگی کی مشقتوں سے اسی لیے گزارا تھا کہ وہ بڑھاپے میں بھی جوانوں کی سی چستی پھرتی سے کام لیتے رہیں۔ اگرچہ آخری عمر میں وہ فربہ ہو گئے تھے لیکن کسرتی جسم اور جوانی کی فوجی مشقتوں نے جہاں اُن کو مزاح کے لیے خام مواد مہیا کیا وہیں انھیں عام شاعروں اور ادیبوں کے مقابلے پر چاک و چوبند رکھا اور وہ طنز و مزاح کے پھول بکھیرتے رہے:

مسلمانوں کے سر پر خواہ ٹوپی ہو نہ ہو لیکن
مسلمانوں کے سر سے بوئے سلطانی نہیں جاتی
خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ پیدا ہو گئے ہیں اور حیرانی نہیں جاتی
جہاں تک کثرتِ اولاد نے پہنچا دیا ہم کو
وہاں تک بندہ پرور نسلِ انسانی نہیں جاتی
میری دشواری کا کوئی حل مرے چارہ گرو
جلد تر ، آسان تر اور مختصر پیدا کرو
حضرتِ اقبال کا شاہیں تو ہم سے اُڑ چکا
اب کوئی اپنا مقامی جانور پیدا کرو

تمثال گری یا امیجری کمال فن کا تقاضا کرتی ہے اور ضمیر نے اسے خوب استعمال کیا ہے۔ طارق سلطان کا خیال ہے:

> ''ضمیر جعفری کا طنز ان کے گہرے مشاہدے، تجربے اور گہری بصیرت سے پھوٹتا ہے۔ وہ جامد اشیا اور غیر مرئی عناصر سے بھی متحرک تصویریں اخذ کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہاں اُن کا قلم بے مثال تمثال گری سے آنکھوں کے سامنے ایسے مناظر لے آتا ہے جنہیں بظاہر محسوس تو کیا جا سکتا ہے مگر انھیں اظہار کا پیرایہ دینا کچھ آسان نہیں۔''(۵)

ہماری نظروں کے سامنے، دن رات ایسے بے شمار مناظر آتے ہیں جن پر سنجیدہ ردِعمل دینا بہت آسان مگر ان کے مضحک پہلوؤں کو دیکھنا اور دکھانا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر ضمیر جعفری کی مشاق قلم کام آتی ہے۔ اُن کے کلام سے ایسی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً عید ملن، صاحبِ اولاد سڑکیں، اک ریل کے سفر کی تصویر کھینچتا ہوں، ضمیر کا گھر، ایک بس کا سفر (نہ بس چل رہی ہے نہ بس چل رہا ہے)، مجھے ذوقِ تماشا لے گیا تصویر خانوں میں، روزے سے ہوں، شہر کا بڑا بازار، بفے ڈنر، سابق منسٹر، پُرانی موٹر، یہ کوہاٹ ہے،، وبائے الاٹمنٹ اور دو بہرے شناساؤں کی ملاقات وغیرہ۔ اُن کی کچھ نظموں کے اقتباسات

ملاحظہ کیجئے:

اُس نے کہا، آداب کرتا ہوں، کہو کیا حال ہے
اِس نے کہا تھیلے میں دو رومال ہیں اک تھال ہے
اُس نے کہا انساں میں اب ذوق ہمدردی بھی ہے
اِس نے کہا ہم کیا کریں کھانسی بھی، سردی بھی ہے
اُس نے کہا کچھ پیٹ بڑھ آیا ہے پچھلے سال میں
اِس نے کہا، برگیڈر گلزار ہیں چکوال میں(۶)

............

ہر سمت ہے بلند صدائے الاٹمنٹ
ہائے الاٹمنٹ ، تو وائے الاٹمنٹ
دنیا بھی ہے اور دین ولائے الاٹمنٹ
اب لوگ جی رہے ہیں برائے الاٹمنٹ
بندے کا اب خدا ہے خدائے الاٹمنٹ(۷)

غالب کی زمین ضمیر جعفری کی پیروڈی قابل داد ہے:

شب کو دلیہ دلا کرے کوئی
صبح کو ناشتہ کرے کوئی
اس کا بھی فیصلہ کرے کوئی
کس سے کتنی حیا کرے کوئی
سوچتا ہوں کہ اس زمانے میں
دادی اماں کا کیا کرے کوئی

............

مہذب بیبیوں کا رقص جاری ہے جہاں میں ہوں
مؤدب شوہروں پر وجد طاری ہے جہاں میں ہوں
گو زندگی کے ساتھ ہیں شرمندگی کے ساتھ
کوٹھی ہے ساتھ کار کے ، روٹی ہے گھی کے ساتھ
دونوں کو اُن کے ذوقِ مروّت کی داد دو
راشد کے گھر میں شامِ غزل،جعفری کے ساتھ (۸)

............

گھر میں کبھی جو بیٹھ گیا ہوں نماز میں
بچے اُچھل پڑے ہیں جبینِ نیاز میں(۹)

ضمیر جعفری کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کی پہچان اُن کا خوصورت اسلوبِ بیان، اس کی تہ داری اور دھیما پن ہے۔ وہ ایک ماہر مصور کی طرح نقش گری کرتے ہیں۔ مرقع کشی اور مضحکہ خیزی میں انھیں کمال حاصل ہے۔ ڈاکٹر ظفر عالم ظفری لکھتے ہیں:

''ضمیر اپنے موضوع میں اس طرح جذب ہو کر لکھتے ہیں کہ غزل کا ایک ایک لفظ داستان بن جاتا ہے۔''(۱۰)

دل عبث بدنام ہے ، ناصح عبث بدنام ہے
دل کا اپنا کام ہے ، گردے کا اپنا کام ہے
یہی شوقِ نزاکت ہے اگر اپنے جوانوں میں
تو دیکھو گے بہن کی بالیاں، بھائی کے کے کانوں میں

یہ حقیقت ہے کہ ضمیر جعفری کے طنز و مزاح میں اُن کی سنجیدہ نظم و نثر کچھ دب سی گئی ہے۔ اسی شے نے مجھے بھی شروع میں مغالطے میں ڈال دیا تھا۔ میرے سامنے تو صرف ''مافی الضمیر'' والا ضمیر جعفری تھا مگر اُن کے سنجیدہ روپ کو دیکھا اور سنجیدہ نظم و نثر کو دیکھا تو گویا ایک نیا جہان آباد تھا۔ اس امر کی تائید بریگیڈیر صدیق سالک شہید نے بھی کی ہے کہ اکثر لوگ ضمیر جعفری کو مزاح نگار کے طور ہی پر جانتے ہیں۔ ان کے سنجیدہ ادب میں ارمغانِ ضمیر (حمد اور نعت)، کارزار، لہو ترنگ، گنر شیر خاں (المیہ مشرقی پاکستان کے پس منظر میں) میرے پیار کی زمیں، من میلہ، کھلیان، قریۂ جاں، بان بانسری اور آگ اکتارہ شامل ہیں۔ اُن کی سنجیدہ شاعری کا کلیات ''قریۂ جاں'' کے عنوان سے چھپ چکا ہے۔

حمد و نعت ضمیر کے خمیر میں شامل ہے۔ اور ''ارمغانِ ضمیر'' اس کا عکاس ہے۔ اس کے علاوہ حبِ وطن بھی ضمیر کے فکر و فن کا اہم گوشہ ہے۔ اس حوالے سے ''کارزار'' اور ''لہو ترنگ'' اُن کے قابلِ قدر مجموعے ہیں۔ ایس اے رحمٰن کہتے ہیں:

''اُنہوں نے فوجی کردار کے رفیع پہلوؤں کی فنکارانہ چابک دستی سے عکاسی کی ہے۔۔۔۔ ضمیر جعفری نے خلوص، امید اور یقین کی ہمنوائی کی ہے، جو عواملِ حیات میں اہم مرتبہ رکھتے ہیں۔ اُنہیں اپنے وطن کی صلاحیتوں پر ایمان کامل ہے۔ اُنہیں اس کی ہر چیز حسین و جمیل نظر آتی ہے اور یہی عاشقِ صادق کا شعار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبِ وطن کا سوتا ان کے نغموں کی زمین میں بار بار پھوٹتا ہے اور کشتِ کلام کے ہر گوشے کو سیراب کرتا نظر آتا ہے۔''(۱۱)

وطن کی آبرو ہو تم
چمن کا رنگ و بُو ہو تم
حیات ہے جو قوم کی
وہ جوش وہ لہو ہو تم

............

بہادرو سلام ہے، دلاورو سلام ہے
وطن کی آزاد سرحدوں پر وطن کے نغمات گا رہے ہیں
یہ شیر موت کی نگاہوں سے نگاہیں ملا رہے ہیں
لپکتے ٹینکوں کے سامنے مطمئن کھڑے مسکرا رہے ہیں
وطن بیٹے فقط وہی ہیں، وطن کے جو کام آ رہے ہیں
بالِ شاہین و پرِ شہباز کو میرا سلام
غازیوں کے جذبۂ پرواز کو میرا سلام
تم سے غیرت کی حرارت تم سے آزادی کا نُور
تم بڑھاپے کے سہارے تم جوانی کا غرور

''زبورِ وطن'' اور ''میرے پیار کی سرزمین'' وطن سے محبت کی پُر جوش داستان ہے۔اس کے ہر شعر اور ہر مصرعے سے ایک سرشاری ٹپکتی ہے

مری دھن، مری چھا
مری پاک زمیں
میرا انم، میرا دم، میری جان ہے تُو
مری پت، میری چھب، مری جان ہے تُو
مری جان ہے تُو
سدا سکھ جیوے، سدا خوش تھیوے (۱۲)

ان ملی نغموں میں جوش، ولولہ بصیرت نغمگی کا وفور ہے۔بعض نغمات تو فوجی دھن کی مطابقت میں لکھے گئے ہیں جن میں فوجی پریڈ کی گونج سنائی دیتی ہے:

بہادرو، دلاورو
بڑھے چلو، بڑھ چلو
سپاہیو، فدائیو
دلاورو۔ بہادرو
بڑھے چلو، بڑھے چلو

سید ضمیر جعفری کی سنجیدہ شاعری میں پاک سرزمین کے دلربا خطہ پوٹھوہار کی محبت، حضرت سلطان العارفین کی شاعری اور حضرت میاں محمد بخش کی شاعری کی مہک بھی شامل ہے۔ضمیر جعفری نے کمالِ مہارت سے ان کے تراجم کیے ہیں۔اُن کی سنجیدہ شاعری جو اہلِ ذوق سے پوشیدہ رہی ہے، اپنے اندر گہرائی اور گیرائی رکھتی ہے۔ڈاکٹر محمود الحسن کہتے ہیں:

''۔۔۔۔(اس شاعری میں) جنگِ عظیم کی کربنا کی بھی ہے، تقسیم کے وقت غارتگری بھی،

عوام الناس کی بے سروسامانی بھی ہے اور ظلم وستم کی قہر فشانی بھی۔ گویا یہ درد بھرے لہجے کی شاعری ہے جو ہم سبھوں کے قریۂ جاں سے بھی قریب ہے اور اس کی ترجمان اور یہی ضمیر جعفری کے سنجیدہ قلم کی عظمت کی دلیل ہے۔''(۱۳)

المیہ مشرقی پاکستان کے حوالے سے مثنوی ''گنر شیر خاں'' اہمیت کی حامل ہے جس کا مرکزی کردار پاک فوج کا ایک جوان ہے جو پاک فوج کے جوانوں کا ایک نمائندہ کردار ہے۔ گنر شیر خاں بالآخر اپنے وطن پر قربان ہو جاتا ہے:

رفیقوں نے ڈھونڈا یہاں اور وہاں
نہ دیکھا کسی نے مگر شیر خاں
کہ وہ آخرِ شام کام آ گیا
شہادت کا جام اُس کے نام آ گیا

سید ضمیر جعفری کا کہنا ہے ''یہ مثنوی المیہ مشرقی پاکستان کا نوحہ ہے۔ یہ کم وبیش ۱۵ برس میں وقفوں کے ساتھ مکمل ہوئی۔''(۱۴) اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مزاح لکھنے والا صرف مسکراتا ہی نہیں بل کہ برس ہا برس تک روتا بھی ہے۔ بریگیڈیر آئی آر صدیقی لکھتے ہیں:

''ضمیر کی طویل مثنوی ''گنر شیر خاں'' اپنے موضوع اور بیان کے اعتبار سے بے مثال ہے۔''(۱۵)

ایک فوجی کی حیثیت سے وطن کی محبت اور مادرِ وطن کا دفاع ضمیر کے نزدیک سب سے بڑھ کر ہے۔ اس حوالے انھوں نے قابلِ قدر ادب تخلیق کیا ہے۔ یہ ہر غیرت مند بیٹے کا فرض ہے کہ وہ مادرِ وطن عزت وآبرو کا محافظ ہو لیکن اگر وہ فوجی ہو تو پھر یہ کا فرضِ منصبی بھی بن جاتا ہے۔ ضمیر نے یہ فرض بخوبی نبھایا ہے۔

ضمیر جعفری کی سنجیدہ شاعری کا ایک پُرکشش رخ ان کی غزل بھی ہے جس میں کلاسیکی رچاؤ بھی ہے اور جدت کی چمک بھی۔ ''کھلیان'' میں ان کی غزلیں، نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔ احساسِ تنہائی اور غریب الوطنی کی تڑپ نمایاں ہے۔ نادر تشبیہات، استعارات اور تمثالیت کے ساتھ ضمیر کا رنگِ سخن نمایاں ہے:

ہر پیکر اک سایہ سا
سارا شہر پرایا سا
دنیا صحرا کا دریا
پانی کو ترسایا تھا
اونچے اونچے محل منارے، دل اندر دیوار ضمیر
میرے بیٹو! شہر نہ رہنا، شہر کے لوگ اکیلے ہیں

ناصر کاظمی اور منیر نیازی کی طرح ضمیر کے ہاں غم اور حزن کی کیفیت دائمی نہیں ہے البتہ اس میں پھیلاؤ ہے۔ یہ افرادی غم سے اجتماعی غم بن جاتا ہے:

بہت کم ملی زندگی میں ضمیر
وہی چیز جو ہم نے چاہی بہت
سانحے بھی زندگی کا حوصلہ دیں گے مجھے
عزمِ محکم ہے تو دریا راستہ دیں گے مجھے

تلخ وشیریں واقعات اور جھلملاتی یادیں ہماری زندگی اور شاعری کا اثاثہ ہیں۔ضمیر بڑی خوبصورتی سے انھیں شعر کا پیرہن عطا کرتے ہیں:

جب بھی یاد آئیں کبھی صورتیں دلداروں کی
جم گئیں خیالوں میں محفلیں ستاروں کی
اب بھی دل میں سنتا ہوں چاپ اپنے بچپن کی
جیسے دور جنگل میں گونج آبشاروں کی

وہ بالعموم چھوتی بحر کا انتخاب کرتے ہیں اور اس جادو بھر دیتے ہیں:

اس کے سر پر تاج نہ رکھنا
جس کا دل دریا نہیں ہوتا
اے بے رحم زمانے تیرا
کوئی تیر خطا نہیں ہوتا

نئے زمانے کے احوال وآثار بارے کہتے ہیں:

مے خانے کو دے کروٹ
مسجد میں تقریر نہ کر
رُک گئی انسانوں کی سانس
شہر نئے تعمیر نہ کر

وہ بلاشبہ ایک پختہ فکر اور پختہ فن شاعر تھے۔لفظوں کے استعمال کا قرینہ آتا تھا۔بعض اوقات تکرار لفظی،مترادف اور متضاد الفاظ سے موضوع کو نمایاں کرتے ہیں:

بے نیازی ، بے رخی ، بیگانگی ، آوارگی
کیسے کیسے اجنبی رستوں سے ہم اُن تک گئے

ضمیر کے ہاں پنجابی الفاظ کا اردو شاعری میں فنکارانہ اظہار بھی ملتا ہے۔وہ اس امر سے واقف تھے کہ قومی زبان کو اگر مقامی زبانوں کی کمک نہ ملے گی تو وہ مرجھا جائے گی:

اس دل کو کیا غم جو ہر دم
ترے نام کی پینگ الارے گا

میزانِ وفا میں کون تھا کم
یہ قصہ کون نتارے گا

میجر (ریٹائرڈ) سید ضمیر جعفری، بلا شبہ ایک کامیاب انسان، محبِ وطن پاکستانی، پختہ فکر مسلمان، بہادر فوجی افسر، منفرد نثر نگار اور مقبول شاعر تھے۔اسی لیے اہلِ ادب نے انھیں ''ادبی پیرومرشد'' مانا ہے۔وہ اپنے بڑوں کے لیے حد درجہ مؤدب، ہمعصروں کے لیے سراپا اخلاص اور چھوٹوں کے لیے شجرِ سایہ دار تھے:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

## حوالہ جات وحواشی

۱۔ ''عدالت'' کے نام پر تقریبات عام طور پر یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہوتی تھیں مگر ہم نے اسے ایک علمی وادبی فورم ''روہی رنگ، رحیم یار خاں'' کے تحت ۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو منعقد کیا تھا۔ جناب سید ضمیر جعفری اس میں شرکت کے لیے بہ طور خاص اسلام آباد سے رحیم یار خاں تشریف لائے تھے۔اس تقریب کا مہتمم اور کمپیئر راقم الحروف تھا۔میجر سید ضمیر جعفری کو اسلام آباد سے لانے میں ریڈیو پاکستان اسلام آباد کے سابق ڈائریکٹر جنرل جناب سرفراز خاں نے خصوصی تعاون کیا تھا۔

۲۔ سدید انور، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، لاہور: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۱ء، ص:۲۱۰

۳۔ ضمیر جعفری، سید، مافی الضمیر، لاہور: مکتبہ اردو ڈائجسٹ، ۱۹۷۰ء، ص:۱۲

۴۔ مسعود انور، شاخِ تبسم، راولپنڈی/اسلام آباد: س ن، ص:۱۱۶

۵۔ سلطان، طارق، مقالہ اردو ادب اور عساکرِ پاکستان، لاہور: مخزونہ لائبریری منہاج یونیورسٹی، ۲۰۱۹ء، ص:۱۲۴

۶۔ ضمیر جعفری، مافی الضمیر، راولپنڈی: راول مطبوعات، ۱۹۸۵ء، ص:۵۶

۷۔ ایضاً، ص:۶۹

۸۔ ایضاً، ص:۵۶

۹۔ ایضاً، ص:۶۴

۱۰۔ ضمیر جعفری، نشاطِ تماشا، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص:۱۴

۱۱۔ اے۔ایس رحمٰن، پیش لفظ: لہو ترنگ، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۵۶ء، ص:۹۔۸

۱۲۔ ضمیر جعفری، زبورِ وطن، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۸۲ء، ص:۲۳

۱۳۔ محمود الرحمٰن، ڈاکٹر، مضمون مشمولہ: قریۂ جاں، از ضمیر جعفری، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۱۲

۱۴۔ ضمیر جعفری، گنر شیر خاں، اسلام آباد: دھن پوٹھوہار اکیڈمی، ۱۹۷۷ء، ص:۷

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۳۹

☆......☆......☆